OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com/

Al-Nasr Volume 2, Issue 2 (July-September 2023)

استواء علی العرش سے متعلق نظریات: قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مطالعہ

Theories regarding *Istawī alā al-Arsh* : A Study in the Light of Quran and Hadīth

Muhammad Nasrullah

M.Phil. Islamic Thought & Civilization University of Management and Technology, Sialkot

Dr. Abdul Aleem

Assistant Professor, Department: Islamic Thought and Civilization, University of Management and Technology, Sialkot

Dr. Asjad Ali

Assistant Professor, Department: Islamic Thought and Civilization, University of Management and Technology, Sialkot

Abstract

Istiwa Ala Al-Arsh is one of the attributes of Allah Almighty. The texts of Quran and Sunnah are very clean about this. But some groups deny Allah`s attributes by interpreting them arbitrarily. Some of them deny attributes altogether. Some of them deny some attributes and admit some attributes. The main reason for their denial is to consider the attributes of Allah as the attributes of creatures. Which is wrong. Just as the existence of Allah Almighty is not similar to the existence of any creature. Similarly, the attributes of Allah Almighty are not similar to any of the creatures.

Keywords: Quran and Sunnah, attributes, denial, existence, creatures

تمہید

استواء علی العرش اللہ تعالی کی صفات میں سے ایک صفت ہے، جس کا سادہ الفاظ میں مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی ساری کائنات کے اوپر اپنے عرش پر ہیں، جس پر قرآن کی آیات اور احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں، قرآن میں اس معنی کی آیات دو طرح کی

CC BY

ہیں۔

1۔ وہ آیات بینات جن میں اللہ کے تعالی کے عرش پر ہونے کا واضح ثبوت موجود ہے، اور بالالفاظ اس معنی پر دلالت کرتی ہیں، اس طرح کی آیات قرآن میں سات جگہ ذکر ہوئی ہیں۔

i. ارشاد باری تعالی ہے: إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ۔[1] (بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے پھر عرش پر قائم ہوا)

ii. إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ۔[2] (بے شک تمھارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا)

iii. اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ۔[3] (اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ستونوں کے، جنھیں تم دیکھتے ہو، پھر وہ عرش پر بلند ہوا)

iv. الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ۔[4] (جو رحمٰن ہے، عرش پر قائم ہے)

v. اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ۔[5] (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا پھر عرش پر بلند ہوا)

vi. الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ۔[6] (وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر بلند ہوا)

vii. هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ[7] (وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔)

آیات سے اثبات

ان تمام آیات میں مشترکہ طور پر جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات اپنے عرش پر بلند ہے، اور یہ اللہ تعالی کی صفات میں سے ایک صفت ہے جس کا کوئی بھی مومن شخص انکار نہیں کر سکتا، جس طرح قرآن کی باقی آیات کا معنی کیا جاتا ہے اسی طرح ان آیات کا معنی بھی کیا جائے گا اور ان کی کوئی بھی ایسی تاویل نہیں کی جا سکتی جس سے اللہ کے عرش پر بلند ہونے کا انکار ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ اس صفت کی کوئی کیفیت بھی بیان نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی کیفیت کا انکار کیا جائے گا، اس لیے کہ کیفیت کا معلوم نہ ہونا کیفیت کی نفی کو مستلزم نہیں۔ اللہ کے عرش پر بلند ہونے کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے، اس بارے کوئی بھی ایس دلیل موجود نہیں جس میں اللہ کے عرش ہونے کی کیفیت کا ذکر ہو، اسی طرح اللہ کی دیگر صفات کے بارے بھی کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جس کی بنیاد پر اس کی کیفیات کو بیان کیا جائے۔ محدثین و مفسرین سے بھی اس بارے جو اقوال ہم تک پہنچے ہیں ان کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ کی صفات بارے نصوص کو ان کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے گا، اور ان کی کیفیات کے علم کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور ان نصوص کی کوئی بھی ایسی تاویل نہیں کی جائے گی جس سے نصوص کے معانی کا انکار ہو۔ امام قرطبی اپنی تفسیر میں معروف عربی لغوی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی "استوی علی" کا معنی استقرار ہی کیا ہے، اور اپنی بات کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ کے لیے ہر طرح کا علوّ (بلند ہونا) ثابت ہے، اللہ اپنی ذات

اپنی صفات اور اپنے مرتبے کے لحاظ سے بھی سب سے بلند ہے اور اپنے عرش پر ہے۔[8] امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "ثم استوی الی السماء" کا صحیح ترین معنی یہ ہے کہ وہ آسمانوں پر بلند ہوا، اور اپنی قدرت سے ان کی تدبیر کی اور انہیں سات آسمان بنایا، اور ایسے شخص پر تعجب ہے جو آیت کے اس معنی سے انکار کرتا ہے جو کلام عرب سے ماخوذ ہے یعنی آسمان پر بلند ہونا۔[9]

2۔ وہ آیات جن میں اللہ کی یہ صفت واضح الفاظ میں تو ذکر تو نہیں ہوئی لیکن ان آیات کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالی کی ذات ساری کائنات کے اوپر موجود ہے، اس طرح کی چند آیات درج ذیل ہیں۔مَن كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ۔[10] (جو شخص عزت چاہتا ہو سو عزت سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ اسی کی طرف ہر پاکیزہ بات چڑھتی ہے اور نیک عمل اسے بلند کرتا ہے) اس آیت میں موجود الفاظ "الیہ یصعد" (اسی کی طرف چڑھتے ہیں) اس بات پر دلیل ہیں کہ اللہ کی ذات اوپر ہے، اس لیے کہ چڑھنا اسی چیز کی طرف ہوتا ہے جو اوپر ہو اور بلند ہو، الیہ میں موجود "ہ" ضمیر کا مرجع بالاتفاق اللہ تعالی کی ذات ہے، اسی معنی میں ایک صحیح حدیث بھی موجود ہے، عبد اللہ بن سائب فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انها ساعة تفتح فيها ابواب السماء فاحب ان يصعد لى فيها عمل صالح۔[11] (یقینا یہ ایسی گھڑی ہے جس میں آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں، تو میں پسند کرتا ہوں کہ اس گھڑی میں میرے اعمال صالحہ اوپر چڑھیں۔) اس حدیث سے آیت کے معنی مزید واضح ہو جاتے ہیں، کہ اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں، اور یہ اپنے معنی میں بالکل واضح ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى۔[12] (اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو سب سے بلند ہے۔) اس آیت میں بھی یہ معنی واضح ہو رہا ہے کہ اللہ کی ذات مخلوق سے بلند ہے، اس سے صرف اللہ کے مرتبے کی بلندی یا عظمت مراد لینا اور ذات کے بلند ہونے کی نفی کرنا قطعا درست نہیں، اس لیے کہ لفظ "الاعلی" مطلق استعمال ہوا ہے جس میں کسی قسم کی قید موجود نہیں، اس لیے اس میں ذات کے بلند ہونے کا معنی بھی واضح ہے، نماز میں رکوع کے اندر پڑھی جانے والی دعا "سبحان ربی العظیم" اور سجدے میں پڑھی جانے والی دعا "سبحان ربی الاعلی" میں دونوں لفظوں سے عظمت ہی مراد لی جائے تو یہ بالکل بھی درست نہیں، اس لیے کہ "العظیم" اور "الاعلی" دو الگ الگ صفات ہیں، اسی طرح قرآن میں بھی آیت الکرسی کے اختتام یہ اللہ تعالی نے اپنی ان صفات کا ذکر کیا ہے: "وھو العلی العظیم (اور وہ سب سے بلند، خوب عظمت والا ہے)" امام طبری نے اپنی تفسیر میں "العلی" لفظ کی یہی تفسیر کی ہے کہ "اللہ تعالی ہر ایک چیز پر بلند ہے اور تمام اشیاء اس کے نیچے ہیں[13]۔ امام طحاوی بھی اللہ تعالی لیے فوقیت کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اللہ کے لیے مطلق فوقیت ثابت ہے، غلبہ کی فوقیت ہو یا قدرت کی فوقیت ہو یا ذات کی فوقیت ہو سب اللہ کی صفات ہیں، جس نے ان میں سے بعض کو ثابت کیا اور بعض کی نفی کی تو اس نے اللہ کے مطلق علو کی نفی کی۔[14] اسی طرح امام بغوی اپنی تفسیر میں "العلی" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: العالی علی کل شیئ[15] (وہ ہر چیز پر بلند ہے) اس لیے حق وانصاف والی بات یہی ہے کہ اللہ کے لیے مطلقا بلند ہونا مراد لیا جائے، مرتبے کے لحاظ سے بھی اور ذات وصفات کے لحاظ سے بھی۔

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔[16] (وہ اپنے رب سے، جو ان کے اوپر ہے، ڈرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے۔) اس آیت میں اللہ تعالی نے فرشتوں کے ڈرنے کا ذکر کیا ہے کہ وہ اس سے ڈرتے ہیں اپنے اوپر کی جانب سے، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ فرشتے آسمانوں میں ہیں، اور ہم سے اوپر ہیں اور ان سے بھی اوپر اللہ کی ذات بلند

ہے، کسی بھی آیت میں یہ نہیں ہے کہ فرشتے اپنے سامنے سے یا نیچے سے یا اپنے پیچھے سے ڈرتے ہیں، بلکہ صرف ایک جہت کا ذکر ہے اور وہ اوپر والی جہت ہے اور اس جگہ بھی رتبے کی بلندی وغیرہ مراد لینا درست نہیں، اس لیے کہ "فوق تحت" جب حرف جر "من" کے ساتھ استعمال ہوں تو ان سے حقیقی و حسّی فوقیت ہی مراد ہوتی ہے، لغت عرب کے اندر ایسا استعمال بالکل بھی موجود نہیں کہ لفظ "فوق" حرف جر "من" کے ساتھ استعمال ہوا ہو اور اس سے رتبہ کی فوقیت مراد لی گئی ہو، چند قرآنی مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے: فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِن فَوْقِهِمْ[17] (پس ان پر ان کے اوپر سے چھت گر پڑی) اسی طرح کہا جاتا ہے: تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِن فَوْقِهِنَّ[18] (آسمان قریب ہیں کہ اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں) اور: أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ[19] (یا ان اندھیروں کی طرح جو نہایت گہرے سمندر میں ہوں، جسے ایک موج ڈھانپ رہی ہو، جس کے اوپر ایک اور موج ہو، جس کے اوپر ایک بادل ہو) ان آیات میں واضح ہے کہ لفظ فوق پر "من" حرف جر داخل ہوا ہے، اور ان سے حقیقی فوقیت مراد ہے، نہ کہ رتبے کی فوقیت، تو مذکورہ آیت "یخافون ربھم من فوقھم" سے مفہوم یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر ہے، بلکہ ان سے بھی اوپر جو ہمارے اوپر ہیں، یعنی آسمانوں اور فرشتوں کے بھی اوپر ہے۔ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔[20] (وہی سب سے پہلے ہے اور سب سے پیچھے ہے اور ظاہر ہے اور چھپا ہوا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔) اس آیت میں لفظ "الظاھر" سے اللہ کا علوّ ثابت ہوتا ہے، جس کا معنی ہے کہ وہ بلند ہے، قرآن میں ایک قصہ یاجوج ماجوج کے متعلق ہے، جب یاجوج و ماجوج اور لوگوں کے درمیان بادشاہ ذوالقرنین نے دیوار بنادی، تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ[21] (پس انہوں نے اس پر بلند ہونے کی طاقت نہیں رکھی) اسی طرح اللہ کا ایک اور فرمان: وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ[22] (اور سیڑھیاں، جن پر وہ بلند ہوتے ہیں) اسی طرح ایک اور واقعہ میں بھی یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یہودیوں نے جب نبی ﷺ کو اوپر سے پتھر گرا کر شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، تو ان میں سے ایک نے کہا تھا: انا اظھر علی البیت فاطرح علیہ صخرۃ[23] (میں چھت پر بلند ہوں گا، اور ان پر چٹان پھینک دوں گا)

اوپر ذکر کی گئی تمام مثالوں میں "یظھروہ، یظھرون، اظھر" کا معنی بلند ہونا ہی ہے، عرب اس لفظ کو علوّ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، ان تمام امثلہ اور ادلّہ سے بڑھ کر یہ دلیل بھی اس معنی پر موجود ہے، کہ جب نبی ﷺ خود کسی لفظ کی تشریح فرما دیں، تو کسی بھی دوسرے کی تفسیر کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اور آپ کی تفسیر ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی تفسیر کی طرف رجوع بھی نہیں کیا جاسکتا، نبی ﷺ نے فرمایا: "أنت الاوّل فليس قبلك شيء و انت الآخر فليس بعدك شيء و انت الظاهر فليس فوقك شيء[24] (اے اللہ) تو اوّل ہے، تجھ سے پہلے کوئی پہلے کوئی چیز نہیں، تو آخر ہے، تجھ سے بعد کوئی چیز نہیں، اور تو ہی ظاہر ہے، تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں)" اس حدیث میں نبی ﷺ نے "الظاھر" لفظ کا مفہوم یہی سمجھایا ہے، کہ اللہ سب سے اوپر ہے، اس سے اوپر کوئی چیز نہیں، نبی ﷺ ہمارے لیے شارع بھی ہیں اور شارح بھی ہیں، ان کی تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی دوسری تفسیر کی حاجت نہیں رہتی، امام طبری نے بھی لفظ "الظاھر" کی یہی تفسیر کی ہے، فرماتے ہیں: "الظاهر هو العالي فوق كل شيئ،فلا شيئ اعلى منه[25] (الظاھر (معنی) وہ ہر چیز سے بلند ہے، پس کوئی بھی چیز اس سے اوپر نہیں)"

احادیث سے اثبات

معاویہ بن حکم سلمی فرماتے ہیں: اُحد اور جوانیہ کے درمیان ایک مقام پر میری ایک لونڈی میری بکریاں چرا رہی تھی، اچانک ایک بھیڑیا حملہ آور ہوا، اور ایک بکری کو اڑا لے گیا، (کہتے ہیں) کہ مجھے اس کا بہت افسوس ہوا، اور میں نے اپنی لونڈی کو اس کی اس کوتاہی کی بنا پر تھپڑ مار دیا، پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا، اور سارا قصہ بتایا، نبی ﷺ نے اس کام کو مجھ پر بڑا بھاری سمجھا، میں نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ: کیا میں اس کو آزاد نہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اس کو میرے پاس بلاو، تو میں نے اس کو نبی ﷺ کے پاس لے آیا، تو آپ ﷺ نے اس سے دو سوال کیے: پہلا سوال: این اللہ؟ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: فی السماء، آسمان میں۔ ایک روایت میں ہے: فاشارت الی السماء، اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ دوسرا سوال یہ پوچھا: من انا؟ میں کون ہوں؟، "قالت انت رسول اللہ ﷺ" اس نے کہا؛ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اعتقھا فانھا مومنۃ[26] (اس کو آزاد کر دے، یہ مومنہ ہے) کس قدر واضح گواہی اس حدیث میں موجود ہے، نبی ﷺ نے اس سے اللہ کے بارے سوال کیا، اور اس کے جواب کو درست ٹھرایا، نفی نہیں کی، اگر اس کا جواب درست نہ ہوتا، تو آپ ﷺ اس کے مومنہ ہونے کی گواہی نہ دیتے، اس نے اللہ کے لیے اوپر کی جہت کا اشارہ کیا، تو آپ ﷺ نے اس کو ایمان والی کہا، اگر آج بھی کوئی اللہ کے لیے اوپر عرش پر ہونا مانتا ہے، جو کہ ایک لازمی عقیدہ ہے، تو وہ شخص بھی مومن ہے، اس کا عقیدہ پختہ ہے۔، اور قرآن و سنت پر مبنی ہے، یہ حدیث اپنے مسئلہ میں اظھر من الشمس ہے۔ حافظ ذہبی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: ھکذا راینا کل من یسئل : این اللہ ؟ یبادر بفطرتہ و یقول : فی السماء ، ففی الخبر مسئلتان احداھما : شرعیۃ قو ل المسلم : این اللہ ؟ و ثانیھما : قول المسئول : فی السماء فمن انکرھاتین المسئلتین فانما ینکر علی المصطفی ﷺ[27] (اسی طرح جس شخص سے بھی سوال کیا جائے کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اپنی فطرت کے مطابق اس کا جواب دے گا، کہ آسمان میں ہے، (مزید کہتے ہیں) اس خبر میں دو مشہور مسئلے ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ مسلمان کا اللہ کے متعلق "اَین اللہ" سے سوال کرنا درست ہے۔

۲۔ اس کا جواب "فی السماء" دینا درست ہے۔

جس نے ان دو مسئلوں کا انکار کیا، اس نے نبی ﷺ کی بات کا انکار کیا۔ امام عثمان دارمی کہتے ہیں: ففی حدیث رسول اللہ ﷺ ھذا دلیل علی ان الرجل اذالم یعلم ان اللہ عز وجل فی السماء دون الارض فلیس بمومن[28] (رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ اگر آدمی کو یہ علم نہ ہو، کہ اللہ زمین کے علاوہ آسمان میں ہے، تو وہ مومن نہیں۔)۔ امام الحرمین الجوینی فرماتے ہیں: قولہ فی الحدیث الصحیح للجاریۃ این اللہ فقالت فی السماء فلم ینکر علیھا بحضرۃ اصحابہ کیلا یتوھموا ان الامر علی خلاف ماھو علیہ بل اقرھا و قال اعتقھا فانھا مومنۃ[29] (آپ ﷺ کا قول جو صحیح حدیث میں ہے، آپ نے لونڈی کو کہا: "اَین اللہ" اللہ کہاں ہے؟ اس کے جواب میں لونڈی نے "فی السماء" کہا، تو آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کی موجودگی میں اس پر انکار نہیں کیا، تاکہ ان پر اصل معاملہ میں وہم پیدا نہ ہو جائے، بلکہ اس لونڈی کی بات کو اسی طرح ٹھرایا اور صحابی کو کہا: اس کو آزاد کر دے۔) عقلاً بھی یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ انسان کو معلوم ہو کہ اس کا معبود کہاں ہے، یہ کہنا درست نہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارا معبود کہاں ہے، مخلوق کے اوپر یا نیچے یا خارج یا داخل، اوپر ذکر کیے گئے دلائل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے متعلق "این اللہ" سے سوال کرنا درست ہے، اللہ تعالیٰ کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے اس کے رسول ﷺ نے یہ سوال اس

لونڈی سے کیا تھا، اور اس لونڈی کے جواب کو کہ 'اللہ اوپر آسمانوں میں ہے' درست ٹھہرایا تھا۔ اس طرح کی جتنی بھی آیات اور احادیث ہیں وہ اپنے معنی میں واضح ہیں، ان کے معنی معلوم ہونے کا نکار کرنا یا ان کی کوئی بھی ایسی تاویل کرنا جس صفت کا انکار لازم آئے تو یہ درست نہیں۔

ائمہ اربعہ کے اس سے متعلق اقوال

1۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول

ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی روایت کرتے ہیں: قال سألت اباحنیفة عمن یقول لا اعرف ربی فی السماء او فی الارض قال قد کفر لان اللہ عز و جل یقول الرحمن علی العرش استوی۔ و عرشہ فوق سبع سموت[30] (کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جو کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرا رب آسمانوں میں ہے یا زمین میں، تو امام صاحب نے فرمایا اس نے کفر کیا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود کہتے ہیں رحمن عرش پر بلند ہے، اور اس کا عرش ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے۔)

۲۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول

عبد اللہ بن نافع کہتے ہیں: قال مالک ابن انس: اللہ فی السماء و علمہ فی کل مکان لایخلو منہ مکان[31] (امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ آسمان میں ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے اس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں) اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب کا بھی یہی موقف تھا، امام مالک کے اصحاب میں سے مشہور امام اصبغ رحمہ اللہ کا عقیدہ بھی اللہ کے متعلق سلف والا ہی تھا، کہ اللہ اوپر عرش پر ہے، اور اللہ عرش کا محتاج نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے عرش پر بلند ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ عرش کا محتاج ہے۔

۳۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول:

امام شافعی رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا پر آنے کے متعلق سوال کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا: "للہ تعالی اسماء وصفات جاء بھا کتابہ و اخبر بھا نبیہ امتہ لایسع احدا من خلق اللہ قامت علیہ الحجۃ ردّھا۔[32] (اللہ کے لیے کئی اسماء اور صفات ہیں، جو اللہ کی کتاب قرآن میں وارد ہوئے ہیں، اور ان کی اللہ نے اپنے نبی کو بھی خبر دی ہے، امت میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں، کہ اس ثابت شدہ چیز کا انکار کرے۔) اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد اور مذہب شافعیت کے امام سعد بن علی الزنجانی فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے وجود کے ساتھ عرش کے اوپر ہے۔[33]

۴۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بیٹے عبد اللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میرے باپ سے سوال کیا گیا، کہ کیا ہمارا رب ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اپنی قدرت اور علم کے لحاظ سے ہر جگہ پر ہے؟ تو انہوں نے کہا "ہاں"۔ کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے، اس کا علم ہر جگہ ہے، اور اس کی ذات عرش پر ہے۔[34] اسی طرح ابو الطیب کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایسے آدمی کے متعلق سوال کیا جو یہ کہتا ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور بالذات اللہ کے ساتھ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اور اس آیت سے دلیل لیتا ہے: مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ ۔[35] (کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے۔) تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جواب دیا: اس طرح کے لوگوں نے آیت کے آخری حصہ کو لے لیا ہے اور پہلے حصہ کو چھوڑ دیا ہے جس میں ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ-مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ۔[36] (کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ کوئی پانچ آدمیوں کی سرگوشی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے۔) اس آیت کی تشریح میں امام دارمی لکھتے ہیں کہ اللہ کا علم ان کے ساتھ ہے اور ساتھ اس طرح کی دوسری آیات بھی تلاوت کیں۔[37]

جس آیت میں بھی اللہ کی قربت کا ذکر ہے وہاں ساتھ اس کے علم کا ذکر بھی ضرور ہے، بذاتہ اللہ کی ذات کو ہر جگہ اور ہر کسی کے ساتھ مراد لینا درست نہیں، اور نہ ہی دلائل اس معنی پر دلالت کرتے ہیں، اور عقلی لحاظ سے بھی اللہ کو بذاتہ ہر جگہ اور ہر کسی کے ساتھ مراد لینا درست معلوم نہیں ہوتا، یہ اللہ کی شایان شان نہیں، اللہ عرش پر ہونے کے باوجود بھی تمام چیزوں سے باخبر ہے، کوئی بھی چیز اس سے دور نہیں، اس کے علاوہ اللہ کے عرش پر ہونے کے واضح دلائل موجود ہیں، قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ کے ساتھ ساتھ مشہور ائمہ کے اقوال خصوصا ائمہ اربعہ کے اقوال سے یہ چیز ثابت ہے، جس سے بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا، اور ایک اہم بات یہ بھی کہ اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ ہر جگہ بالذات موجود ہے، تو اس سے (نعوذ باللہ) کئی مکروہ جگہوں پر بھی اس کا وجود ماننا لازم آئے گا، اور ایسا عقیدہ اللہ کے متعلق رکھنا جائز نہیں، اسی طرح کلی طور پر اللہ کی اس صفت (علو) کا انکار کر دینا بھی درست نہیں، کیونکہ اس سے قرآن وحدیث کا انکار لازم آتا ہے، ہم اللہ کی کسی بھی ایسی صفت کا انکار نہیں کر سکتے جو اللہ نے خود اپنے قرآن میں بیان کی ہو، اور اپنے رسول ﷺ کو بھی اس کی خبر دی ہو، اللہ کی آیات کو جھٹلانا اور بغیر دلیل و حجت کے اللہ کے متعلق کوئی بات کہنا سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ-اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ[38] (تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے، جو اللہ پر جھوٹ بولے اور سچی بات جب اس کے پاس پہنچ جائے تو اسے جھٹلائے، کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے؟۔) تو اللہ کی ثابت شدہ صفات کا انکار کرنے والا اس آیت کا مصداق ٹھہرتا ہے، اسی طرح محض عقل سے ان صفات کی ایسی تاویل کرنا جو اس کی نفی کرنے کے مترادف ہو، تو یہ بھی غلط ہے، اللہ کی وہ تمام صفات جن کا ذکر قرآن میں یا حدیث میں ہے ان کو اسی طرح تسلیم کرنا ہی درست عقیدہ ہے، ان کا انکار کرنا کسی مسلمان کی شان شایان نہیں۔

معطلہ کے نظریات اور ان کا جائزہ

معطلہ کے معنی خالی کرنے والے، عاری کرنے والے، عربی میں "عُطْلَة" چھٹی کے دن کو کہتے ہیں، یعنی خالی دن، جس دن میں معمول کے مطابق کام نہ کیا جائے، معطلہ لفظ انہی حروف سے بنایا گیا ہے، معطلہ کو یہ نام دینے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ اللہ کی صفات کا انکار کرنے والے اور اللہ کو صفات سے خالی قرار دینے ہیں، اللہ کا کوئی بھی وصف تسلیم نہیں کرتے۔ اللہ کی صفات کا انکار کرنے والے کئی طرح کے گروہ پائے جاتے ہیں، ان تمام گروہوں میں چونکہ اللہ کی صفات کا انکار پایا جاتا ہے، اس لیے ان کو ایک نام کے تحت جمع کیا گیا ہے، معطلہ کے تحت جو گروہ آتے ہیں، ان کی بڑی تقسیم کچھ اس طرح ہے، کہ ان میں سے بعض فلاسفہ ہیں، اور دوسرے اھل الکلام کہلاتے ہیں، اہل الکلام کے تحت آگے پھر پانچ گروہ ہیں: ۱۔ جہمیہ، ۲۔ معتزلہ، ۳۔ کلابیہ، ۴۔ اشاعرہ، ۵۔ ماتریدیہ۔ یہ سب گروہ اللہ کی صفات کا انکار کرنے میں مشترک ہیں۔

اللہ کی ذات سے متعلق فلاسفہ کا عقیدہ

فلاسفہ کا اللہ کی ذات پر ایمان حقیقی نہیں ہے، وہ اللہ کی ذات کو ذہنی اور خیالی تصور کرتے ہیں، جس کا خارج میں وجود نہیں، ان کا

اختلاف اہل السنہ والجماعہ سے اسی اصل میں ہو جاتا ہے، اور عقیدہ کی باقی صفات میں اختلاف کا ہونا یہاں سے ہی واضح ہو جاتا ہے، کہ جب ذات کو ہی خیالی اور ذہنی قرار دیتے ہیں، تو اس کی صفات کا کیا اقرار کریں گے، ان کے نزدیک اللہ کی توحید یہ ہے، کہ اس کو تمام کمال کی صفات سے مجرد (خالی) قرار دیا جائے، اللہ کی حیات، علم، قدرت، کلام وغیرہ ہر چیز کی نفی کرتے ہیں، اصل بات جس کی بناء پر انہوں نے یہ عقیدہ اپنایا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ کی متعدد صفات کو تسلیم کرنے کی وجہ سے اللہ کا اجزاء سے مرکب ہونا لازم آتا ہے، اور اس طرح اللہ کا اجزاء کی طرف محتاج ہونا لازم آتا ہے، جو درست نہیں ہے۔[39] ان کی اس بات کا رد اور خرابی ان کے اسی قول میں ہے، اس لیے کہ ان کا یہ کہنا کہ تعدد صفات سے اجزاء سے مرکب ہونا لازم آتا ہے، یہ کسی لغت سے یا شریعت سے یا عقل سلیم سے معلوم نہیں، حقیقت میں انہوں نے اللہ کی ذات کو اپنی ذات پر قیاس کر لیا ہے، حالانکہ خالق اور مخلوق کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ[40] (اس کی مثل کوئی چیز نہیں)

اللہ کی ذات کے انکار کے علاوہ ان کا اللہ کے علم کے متعلق عقیدہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کا علم نہیں رکھتا، یعنی اللہ تعالیٰ کو موسیٰ کی ذات، عیسیٰ کی ذات یا محمد ﷺ کی ذات کا علم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[41] (اور وہ جانتا ہے جو خشکی میں ہے اور جو تری میں ہے۔) اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، یہاں تک کہ درخت سے گرنے والا پتہ بھی اس کے علم میں ہے، اور اس کو معلوم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا[42] (اور کوئی پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے۔) عقل سے بھی ان کا یہ عقیدہ فاسد معلوم ہوتا ہے، خالق بالاتفاق اللہ کی ذات ہے، اور جو ذات اشیاء کو وجود بخشنے والی ہے، اور ان کی خالق ہے، وہ اپنی مخلوقات سے لاعلم کیسے ہو سکتی ہے؟ اسی طرح ان کا ایک عقیدہ یہ ہے، کہ اللہ "فاعل بالطبع" ہے، فاعل بالاختیار نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا فعل متحد (ایک) ہے، اس نے شروع سے ایک فعل کیا ہے، وہی چل رہا ہے، ایک فعل کے بعد دوسرے فعل کو اختیار کرنا، اللہ کی ذات کے منافی سمجھتے ہیں۔[43]

انسان سب کے نزدیک فاعل بالاختیار ہے، اور طبعی طور پر بھی اس کے اندر فعل کی صفت موجود ہے، اپنی مرضی سے افعال کو کرتا اور چھوڑتا ہے، اسی لیے فاعل بالاختیار ہے، ان کے اس عقیدہ سے یہ مفہوم نکلتا ہے، کہ انسان میں ایسی صفت کمال موجود ہے، جو (نعوذ باللہ) اللہ کی ذات میں نہیں، اس طرح انسان کا اللہ سے زیادہ کامل ہونا لازم آتا ہے، اس لیے یہ عقیدہ بھی باطل ہے، اور کفر ہے اللہ تعالیٰ اپنے قرآن مجید ارشاد فرماتے ہیں: وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ[44] (اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، اور جو پسند کرتا ہے) ان کے نزدیک اللہ کا وجود مطلق ہے، اس کی صفت کوئی بھی نہیں مانتے، مشرکین عرب کا کفر اور شرک ان سے ہلکا تھا، اس لیے کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ایک ایسے رب کو مانتے تھے، جو خالق بھی ہے، علم بھی رکھتا ہے، قادر بھی ہے، حیّ (زندہ) بھی ہے، اور فلاسفہ کے عقیدہ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے، کہ یہ ایک معدوم چیز کی پیروی کرتے ہیں، اس کی ذات کو ہی تسلیم نہیں کرتے، یہودیوں اور عیسائیوں کے دین میں اگرچہ تبدیلی ہو گئی ہے، لیکن ان کے عقائد پھر بھی ان سے بہتر ہیں، فلاسفہ ہر غیبی چیز کا انکار کرتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے نظریات کی بنیاد دو قوانین پر ہے:

۱۔ علم صرف مشاہدات میں ہے، جو چیز انسان کے حواس خمسہ کے علاوہ ہے، وہ علم نہیں۔

۲۔ علوم میں اصل انسانی عقل ہے، اور انسان کی عقل ہی علم کا مصدر ہے۔

پہلے قانون سے وحی کا انکار کرتے ہیں، اور دوسرے قانون سے تمام امور غیبیہ کا انکار کرتے ہیں، جس میں اللہ پر ایمان لانا، اور آخرت کے دن پر ایمان لانا بھی شامل ہے، تمام اعتقادی مسائل ان کے نزدیک خیالی صورتیں ہیں، جنت و جہنم کا ان کے نزدیک

کوئی تصور نہیں، نہ ہی اللہ کی ذات وصفات میں سے کسی چیز کو حقیقی سمجھتے ہیں۔[45]

استواء علی العرش اور فلاسفہ کا نظریہ

فلاسفہ چونکہ اللہ کی ذات کا ہی انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک عرش نام کی کوئی چیز نہیں، اور نہ ہی اللہ کو عرش کے اوپر مانتے ہے، ان کے اس عقیدہ کا بطلان واضح ہے، عقل ان کے عقیدہ کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے، ہر چیز کو عقل پر رکھ کے سمجھتے ہیں، لیکن اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ جس خالق نے یہ ساری کائنات پیدا کی ہے، کیا اس کا اپنا حقیقی کوئی وجود نہیں؟ اس نے اپنی مخلوق کو کئی طرح کی صفات کمال سے نوازا ہے، اور وہ کمال کی صفات عطا کرنے والا خود ان صفات سے خالی ہے؟ ہر گز نہیں، یہ بہت دور کی گمراہی ہے، اللہ ہمیں اس طرح کے عقیدہ سے محفوظ رکھے۔

اہل الکلام

معطلہ میں سے جو اہل کلام ہیں، وہ بھی اکثر اصولوں میں فلاسفہ کے ساتھ مشترک ہیں، منطقی قواعد اور کلام کی مباحث انہوں نے فلاسفہ سے ہی لی ہیں، فلاسفہ کی طرح اعتقادی مسائل عقل کے ذریعے ہی حل کرنے کی کوشش کی ہے، ان کا فلاسفہ سے کچھ اختلاف بھی ہے، مثلاً اللہ کی ذات، ملائکہ، وغیرہ کو خیالی اور ذہنی چیزیں نہیں سمجھتے لیکن اس کے باوجود کئی غیبی امور میں انہوں نے فلاسفہ والا عقیدہ ہی اپنا لیا ہے، اور وہی اصول اپنا لیے ہیں، نصوص شرعیہ کو ذکر کرنے اور ان سے دلیل لینے کی بجائے حکماء کے اقوال کو پکڑتے ہیں، "قال اللہ و قال الرسول و قال الصحابۃ" کہنے کی بجائے قال الحکماء، قال الفضلاء، قال العقلاء کہتے ہیں، اور اس سے یونان کے فلسفی مراد لیتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے اقوال کو چھوڑ کر ان لوگوں کے کلام کو پکڑنا، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پہچانتے ہی نہیں، یہی ان کی گمراہی کا سبب ہے، معطلہ کی اس قسم (اہل کلام) کے تحت سلف نے پانچ درج ذیل گروہوں کا تذکرہ کیا ہے

۱۔ جہمیہ، ۲۔ معتزلہ، ۳۔ کلابیہ، ۴۔ اشاعرہ، ۵۔ ماتریدیہ

ان پانچوں کے الگ الگ نظریات ہیں، اور اقوال میں انہوں نے صرف عقل کا ہی سہارا لیا ہے، تمام گروہ اللہ کے عرش پر بلند ہونے کے انکاری ہیں اور اللہ کے لیے علوّ کی جہت کو خاص کرنے کا بھی انکار کرتے ہیں۔

معطّلہ کے دلائل

معطلہ کے تمام گروہ کا صفات کی تعطیل میں اگرچہ تھوڑا تھوڑا فرق ہے، لیکن "استواء علی العرش" کے انکار میں ان کی بنیاد ایک ہی ہے۔ معطلہ میں سے فلاسفہ جہمیہ معتزلہ کلابیہ اشاعرہ اور ماتریدیہ تمام اللہ کے علوّ کا انکار کرتے ہیں، اشاعرہ جن سات یا آٹھ صفات کو تسلیم کرتے ہیں، یہ صفت ان میں سے نہیں ہے، یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے، کہ یہ تمام اپنے لحاظ سے صفات کی نفی کر کے اللہ کی توحید کو ثابت کر رہے ہوتے ہیں، لیکن انکار کی حد تک پہنچ جاتے ہیں، اور یہ بات بھی واضح ہے، کہ ان کے دلائل عقلی ہی ہیں، قرآن وسنت سے ان کے پاس دلیل نہیں ہے۔

۱۔ پہلی دلیل:

معطلہ میں سے ایک گروہ کا کہنا ہے، کہ اللہ کی ذات نہ جہان میں داخل ہے، اور نہ جہان سے خارج ہے، اور ایک گروہ کے نزدیک اللہ ہر جگہ موجود ہے، ان دونوں گروہوں کے نزدیک اللہ کے لیے علوّ کی جہت ماننا درست نہیں، اس لیے کہ اس کے لیے کسی بھی خاص جہت کا تعین درست نہیں ہے، جہت کے تعین سے اللہ کی ذات کا مجسم (جسم والا) ہونا لازم آتا ہے، اور مجسم چیز

مخلوقات میں سے ہے، اس لیے اللہ کے لیے جہت کا تعین درست نہیں، اور وہ تمام نصوص جن میں اللہ کے لیے لفظ علوّ استعمال ہوا ہے، اس سے قہر اور غلبہ کا علوّ مراد ہے، ذات کا علو مراد نہیں۔[46]

جواب:

جیسا کہ ہم نے ان گروہوں کی تفصیل میں ذکر کیا تھا، کہ ان کے عقائد سے اللہ کی ذات کا انکار لازم آتا ہے، تو صفات کا انکار بالاولیٰ لازم آئے گا، اللہ کی ذات کو جہان سے خارج قرار دینا اور نہ داخل قرار دینا، یہ اللہ کی ذات کو ممتنع قرار دینا ہے، عقلی لحاظ سے ایسی چیز کا وجود محال ہے، جو نہ جہان میں داخل ہے، اور نہ خارج ہے، کیونکہ اس سے ارتفاع نقیضین لازم آتا ہے، اگر ایک چیز کا وجود تسلیم کیا جارہا ہو، تو وہ یا تو جہان میں داخل سمجھی جائے گی یا خارج سمجھی جائے گی، اس لیے ان کا یہ عقیدہ عقل کے بھی مخالف ہے اور نقل کے مخالف بھی ہے، اسی طرح جو اللہ کو ہر جگہ تصور کر کے اس کے علوّ کی نفی کرتے ہیں یہ بھی عقل و نقل کے مخالف ہے، ہر جگہ تسلیم کرنے سے اللہ کو (نعوذ باللہ) ہر کراہت والی جگہ پر ماننا بھی لازم آئے گا، جو عقلی لحاظ سے درست نہیں، شرعی لحاظ سے وہ تمام دلائل جن میں اللہ کے عرش پر ہونے کا ذکر ہے، وہ واضح اور قطعی الثبوت ہیں، ان دلائل سے اللہ کے لیے قہر یا غلبہ کا علو مراد لینا، اس کی صفات کو نقص سے بیان کرنے کے مترادف ہے، اس لیے کہ مطلق علوّ اللہ کے لیے ثابت کرنا اولی ہے، اور شرعی نصوص کے موافق ہے، اور استواء کو استیلاء (غلبہ) کے معنی میں کرنا درست نہیں ہے، یہ قرآن و سنت اور اجماع امت کی مخالفت ہے، اور یہ تفسیر محض عقل اور رائے سے ہے، ائمہ تفسیر اور اسلاف سے یہ منقول نہیں، اس کے باطل ہونے پر ایک چیز یہ بھی دلالت کرتی ہے، کہ قرآن میں سات جگہ لفظ "استویٰ" آیا ہے، اور اس کے حقیقی معنی علوّ کے موافق دلائل بھی موجود ہیں، جو قرآن کی آیات، احادیث، اقوال صحابہ و تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کے اقوال پر مشتمل ہیں، جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، ایمان لانے اور تسلیم کر لینے کے لیے ایک آیت یا ایک شرعی دلیل ہی کافی ہوتی ہے، جبکہ استولیٰ کا لفظ قرآن و حدیث میں اللہ کے لیے استعمال ہی نہیں ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تاویل جائز نہیں، کیونکہ اس سے اللہ کی صفت کا انکار لازم آتا ہے۔

۲۔ دوسری دلیل:

قرآن کی اس آیت سے دلیل لیتے ہیں: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ[47] (اس کی مثل کوئی چیز نہیں) اللہ کی صفات کی تعطیل میں انہوں نے اس آیت کو بنیاد بنایا ہے، اس سے اللہ کے علوّ کی، اس کی صفت کلام کی، اور باقی تمام صفات کی نفی کرتے ہیں۔[48]

جواب:

معطلہ اس آیت کو بنیاد بنا کر اللہ کی ذات سمیت اس کی تمام صفات کی نفی کرتے ہیں، حالانکہ اگر اسی آیت کو مکمل لیا جائے، اور غور سے پڑھا جائے، تو یہی آیت ان کے خلاف دلیل بن جاتی ہے، مکمل آیت یوں ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ[49] سلف صالحین نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ اس آیت کا پہلا حصہ "لیس کمثلہ شیئ" ممثّلہ (اللہ کی مثل قرار دینے والے) اور مشبہہ (اللہ کے مشابہ قرار دینے والے) پر رد ہے، جو اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، اور آیت کا دوسرا حصہ "وھو السمیع البصیر" یہ معطلہ پر رد ہے، جو اللہ کی صفات کی نفی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خود اپنی صفات "سمیع وبصیر" سے بیان کی ہیں، اور مثلیت کی نفی کرنے کے متصل بعد صفات کا اثبات کیا ہے، تاکہ وہم پیدا نہ ہو جائے۔[50] "لیس کمثلہ شیئ" سے ان صفات کی نفی نہیں کی جاسکتی، جو قرآن میں ہی موجود ہیں، ان صفات کی حقیقت اور کیفیات کا ہمیں مکلف نہیں کیا

گیا، ہمیں اس سے رک جانا ضروری ہے، امام ابن تیمیہؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کیا ہے: لا یوصف اللہ الا بما وصف بہ نفسہ او وصفہ بہ رسولہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا نتجاوز القرآن والسنۃ[51] (اللہ کا وصف صرف اسی چیز کے ساتھ بیان کیا جائے گا، جس کے ساتھ خود اس نے اپنا وصف بیان کیا ہو، یا اس کے رسول ﷺ نے بیان کیا ہو، ہم قرآن و سنت سے تجاوز نہیں کرتے۔) اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی سمیع بصیر کہا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا[52] (پس ہم نے اس کو سننے والا، دیکھنے والا بنایا) صرف الفاظ کی اشتراکیت سے تشبیہ اور مثلیت لازم نہیں آتی، انسان کی سماعت وبصارت اور خالق کی سماعت وبصارت میں زمین آسمان کا فرق ہے، انسان کی ہر صفت ناقص ہے، کسی بھی لحاظ سے کامل نہیں، جب کہ اللہ کی صفات ہر لحاظ سے کامل و مکمل اور اتم ہیں، انسان کا دیکھنا محدود ہے، انسان کا سننا محدود ہے، انسان ایک وقت میں دو آدمیوں کی بات نہیں سن سکتا، ایک پردہ حائل ہو جانے سے چیز اس کو دکھائی نہیں دیتی، جب کہ اللہ کی صفات کسی بھی لحاظ سے ناقص نہیں، نہ کوئی پردہ، رکاوٹ اس کے دیکھنے میں کمی لا سکتا ہے، اور نہ ہی لاکھوں لوگوں کا اس کو پکارنا، اس کی سننے میں نقص پیدا کر سکتا ہے، صرف لفظی اشتراک سے تشبیہ لازم نہیں آتی، اس لیے درست یہی ہے، کہ اس میں اعتدال کا عقیدہ رکھا جائے، مثلیت کی نفی کرتے وقت اس کی ذات کو صفات سے خالی قرار نہ دیا جائے، اور صفات کے اثبات میں اس کو بالکل بھی مخلوق کے مشابہ قرار نہ دیا جائے۔

۳۔ تیسری دلیل:

ان کی عقلی دلیل یہ ہے، کہ اللہ کی ذات واحد ہے، اور واحد بسیط کو کہتے ہیں، (بسیط سے مراد ایسی چیز جس کے اجزاء نہ ہوں، جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو) اس لیے اس کی ذات میں کسی بھی لحاظ سے کثرت نہیں، چاہے صفات ہوں، یا افعال ہوں، اس کی صفات کو تسلیم کرنے سے تعدد لازم آتا ہے، جو اس کی ذات واحد کے منافی ہے۔[53]

جواب:

عقل کے لحاظ سے اتنی بات تو مسلم ہے، کہ اگر صرف اللہ کی ذات کا اثبات مانا جائے اور صفت کوئی بھی تسلیم نہ کی جائے، تو اس میں کمالات کی نفی لازم آتی ہے، اس لیے کہ کسی ذات کی جتنی زیادہ صفات ہوں گی، اتنا ہی زیادہ اس ذات کا کمال ہو گا، ایک آدمی میں جتنی زیادہ خوبیاں ہوں، وہ اتنا ہی زیادہ اہم اور مرتبہ والا ہو گا، اسی طرح اللہ کا کمال صرف ذات کو ماننے سے نہیں، بلکہ اس کی بیان کردہ صفات کو تسلیم کرنے سے ہو گا، صفات کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں آتا، عقل سے بھی اس کو سمجھیں، تو کسی قسم کا اعتراض لازم نہیں آتا، اور شرعی لحاظ سے بھی اس کی صفات کا انکار درست نہیں، کیونکہ اس سے متعلق بہت واضح شرعی نصوص موجود ہیں۔

۴۔ چوتھی دلیل:

چوتھی عقلی دلیل یہ ہے کہ صفات چونکہ اعراض میں سے ہیں، اور اعراض جسم کے ذریعے یا جسم کے ساتھ ہی وجود میں آتے ہیں، اللہ کا اوپر ہونا ایک وصف ہے، اور اوصاف اعراض میں سے ہیں، جن کا وجود جسم کے ساتھ ہی ہوتا ہے، اس سے اللہ کا مجسم ہونا لازم آتا ہے، اور مجسم چیز کا مختلف اجزاء سے مرکب ہونا، اور مخلوق ہونا لازم آتا ہے، اس لیے اس وصف کو بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

جواب:

صفات جسم کے ذریعے ہی وجود میں آتی ہیں، ان کی یہ بات مخلوق کے لحاظ سے ہی درست نہیں، تو خالق پر اس کو قیاس کیسے کیا جا سکتا ہے، کائنات میں ایسی چیزیں بھی ہیں، جن کی صفات تو بیان ہوتی ہیں، لیکن ان کا جسم نہیں ہوتا مثلاً یہ کہا جاتا ہے، کہ آج دن گرم ہے، رات سرد ہے، اب ان جملوں میں رات اور دن کی صفات تو بیان ہوئی ہیں، لیکن ان کا جسم نہیں ہے، تو یہ بات کہ صفات جسم کے ذریعے ہی وجود میں آتی ہیں، عقلاً بھی درست نہیں، ایک چیز اس مسئلہ میں ملحوظ خاطر رکھیں، کہ اس طرح کی عقلی مثالیں منکرین صفات کو التزاماً دی جا سکتی ہیں، وگرنہ اللہ کی ذات کو سمجھنے کے لیے اس طرح کی مثال کی کوئی حقیقت نہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ[54] (اس کی مثل کوئی چیز نہیں) اس کا مفہوم یہی ہے کہ اس کی ذات و صفات کو مخلوقات پر قیاس کر کے نہیں سمجھا جا سکتا، اللہ نے اپنی ذات وصفات کی حقیقت کا علم اپنے پاس رکھا ہے، ہماری عقل اس کا ادراک کرنے سے قاصر ہے، ایک طرف اللہ کی ذات کے متعلق ہمارے عقلی دلائل ہوں اور دوسری طرف کتاب و سنت کے دلائل ہوں تو اس لحاظ سے بھی ہم کو کتاب و سنت کی پیروی کرنا لازم آتا ہے، اور عقلی بحثوں کو ترک کر دینا لازم آتا ہے، ہمیں یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہیے، کہ ہمارے ایمان کا ایک حصہ ایمان بالغیب ہے، اور ایمان بالغیب کا مطلب یہی ہے، کہ ایسی چیزوں پر بھی ایمان لایا جائے، جو ہماری عقل سے ماوراء ہوں، اور ان کی خبر ہم کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں یا نبی ﷺ نے ہمیں دی ہو۔ اس کا انکار کر دینے سے ایمان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں متقین کی صفات یہی بیان کی ہیں: ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۔[55] (یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلام اللہ ہے۔ اللہ سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے، جو غیب پر ایمان لاتے اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔) عقل کے ذریعے ہر چیز کو تلاش نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً عقائد کے مسائل میں ہم اپنی عقل کو قرآن و سنت کے بیان تک ہی پابند رکھیں گے، اور اس میں ہم نصوص شرعیہ کی پیروی کریں گے، ہمارا ایمان ہر اس چیز پر ہونا چاہیے، جو بھی قرآن و سنت میں وارد ہوئی ہے۔

خلاصۂ بحث

اللہ تعالیٰ کا اپنے عرش پر بلند ہونا، اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ جو معنی کے لحاظ سے بالکل واضح ہے، جس میں کسی قسم کی کوئی تاویل یا تحریف یا تمثیل کی گنجائش نہیں۔ صفات باری تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس کرنا درست نہیں، جس طرح ذات باری تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اس کی صفات کو بھی مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کے مشابہ ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ جس طرح اللہ کی ذات کی حقیقت و کیفیت ہم معلوم نہیں کر سکتے، اور نہ ہی اس کا مکمل احاطہ کر سکتے ہیں، اسی طرح اس کی صفات کی حقیقت و کیفیت بھی ہم معلوم نہیں کر سکتے۔ کسی بھی چیز کی ذات کی حقیقت و کیفیت معلوم نہ ہونے سے ذات کی نفی لازم نہیں آتی، اسی طرح صفات کی حقیقت و کیفیت معلوم نہ ہونے سے صفات کی نفی بھی لازم نہیں آتی۔

References

[1] Al-Aäräf 7:54
[2] Al-yunäs 10:3
[3] Al-Raäd 13:2
[4] Tahä 20:5
[5] Al-Sajdäh 32:4

[6] Al-Furqän 25:59
[7] Al-Hädeed 57:4
[8] Muhammäd Ibn Ahmäd al-Qurtäbi, Al-jami li ahkäm il Qurän(Turki, Muassisah Al-Risäla) V:4, P:176
[9] Muhammäd Ibn Jareer Al-Tabri, Al-Jami al bayän An Tafseer Aayat il Qurän, (Bairut: Dar Ehya Al-Turäs), V:1, P:192
[10] Al-Fatir 35:10
[11] Tirmidhi, Abü Isä Muhammad bin Isa, Al-Tirmidhi, (Al-Riädh: Däar al-Saläm, 2001), Hadith No:478
[12] Al-Aäla 87:1
[13] Muhammäd Ibn Jareer Al-Tabri, Al-Jami al bayän An Tafseer Aayat il Qurän, (Bairut: Dar Ehya Al-Turäs), V:3, P:18
[14] Ahmad ibn Sulama Al-Tahawi, Usol Al-Aqeda Al-Islamia, (Jaddah:Däar al-Basher), P:113
[15] Hussäin ibn Masod Al-Bagwi, Malim Al-Tanzil, (Däar Al-taiba 1990), V:5, P:397
[16] Al-Nahal 16:50
[17] Al-Nahal 16:26
[18] Al-Shorä 42:5
[19] Al-Noor 24:40
[20] Al-Haded 57:3
[21] Al-Kähaf 18:97
[22] Al-Zukhräf 43:33
[23] Muhämmad Ibn Saad Al-Zuhri, Al-Tabqat Al-kabir, (Qähra: Khan ge), V:2, P:53
[24] Muslim Ibn Hajjäj al-Qusheyri, Al-Jämi al-Sahih al-Muslim, (Al-Riädh: Där al-Saläm, 1999), Hadith No:6889
[25] Muhammäd Ibn Jareer Al-Tabri, Al-Jami al bayän An Tafseer Aayat il Qurän, (Bairut: Dar Ehya Al-Turäs), V:27, P:252
[26] Nasäi Ahmad Ibn Shuäib Al-Nasäi, Sunan Al-Nasäi, (Al-Riädh Där Al-Sälam 1999), Hadith No: 1218
[27] Muhämmad Ibn Ahmad Al-Zahbi, Al-Uluw li Aly Al-Gaffär, (Al-Riädh: Där Al-Watan 1999), p: 270
[28] Al-Därmi, Usmän Ibn Saeed Al-Därmi, Al-Räd Alä Al-Jähmia, (Kuwäit, Där Al-Sälfia, 1985), P: 39
[29] Al-Juwäni, Abdulläh Ibn Yosuf, Isbät Al-Istiwä Al-Foqia, (Al-Riädh, Däar Al-Tareq, 1998), P:76
[30] Ibn Täimia, Ahmad Ibn Abd ul Halem, Mäjmo Ftäwa, (Mäktaba Al-Täqwa), V:5, P: 46
[31] Shäibani, Abdulläh Ibn Ahmad, Kitäb Al-Sunnäh, (Däar Ibn ul Qayyim), V:1, P: 280
[32] Ibn Al-Qäyyim, Muhämmad Ibn Bkr, Ijtima Al-juyosh Al-Islamiä, (Jäddah, Mäjma Al-Fiqa Al-Islämi), V:1, P: 165
[33] Ibn Al-Qäyyim, Ijtima Al-juyosh Al-Islamiä, V: 1, P: 298
[34] Al-Khällal, Ahmad Ibn Muhämmad, Kitab Al-Sunnäh, (Al-Riädh, Däar Al-Räyah 1998), V:3, P:281
[35] Al-Mujädlah 58:7
[36] Al-Mujädlah 58:7
[37] Al-Därmi, Al-Rad Ala Al-Jähmia, P:110

[38] Al-Zumär 39:32
[39] Al-Zahbi, Muhämmad Ibn Usmän, Kitäb Al-Arsh, (Azwa Al-Sälaf, 1999), P:41
[40] Al-Shora 42:11
[41] Al-Anäam 6:59
[42] Al-Anäam 6:59
[43] Al-Zähbi, kitäb Al-Arsh, P:41
[44] Al-Qäsas 28:68
[45] Al-Zähbi, Kitäb Al-Arsh, P:38
[46] Al-Zähbi, Kitäb Al-Arsh, P:140
[47] Al-Shorä 42:11
[48] Al-Zähbi, Kitäb Al-Arsh, P:142
[49] Al-Shorä 42:11
[50] Ibn Taimiäh, Ahmad Ibn Abd ul Häleem, Ftäwa Al-Hämwia Al-Kubrä, (Däar Al-Sumäiy), P: 16,17
[51] Ibn Täimia, Mäjmo Al-Ftäwa, V: 5, P: 26
[52] Al-Dähr 76:2
[53] Al-Zähbi, Kitäb Al-Arsh, P: 143
[54] Al-Shorä 42:11
[55] Al-Baqarah 2: 2,3